(۵۵)

قومی اتحاد اور تمدنی ترقی کا بہت بڑا گُر

(فرمودہ ۲۰/ جولائی ۱۹۲۸ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے تمدن کا ایک بہت بڑا گُر بیان فرمایا ہے جس کو مد نظر رکھ کر قومی اتحاد اور تمدنی ترقی کے بہت سے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہت سی دنیا میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جو بظاہر چھوٹی ہوتی ہیں لیکن ان کے نتائج بہت بڑے نکلتے ہیں۔ دیکھنے والا ان کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں کیا ہیں اور اپنی ذات میں ان کو چھوٹا سمجھ کر ان کی طرف سے بے توجہی کرتا ہے۔ مگر بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کی قوم یا ملک کا ملک یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا برباد ہو جاتی ہے۔ تاریخوں میں ایک واقعہ آتا ہے میں نہیں جانتا کہاں تک سچا ہے لیکن لکھا ہے بغداد کی خلافت کی تباہی کا موجب وہی واقعہ ہوا۔ کہتے ہیں دو بدمعاش تھے انہوں نے کسی جگہ کباب بکتے دیکھ کر مشورہ کیا آؤ آج کباب کھائیں اور مفت کھائیں۔ ان دنوں شیعہ سنی جھگڑوں کا زور تھا انہوں نے منصوبہ یہ بنایا کہ چلتے چلتے آپس میں لڑ پڑیں۔ ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگ جائیں۔ ایک اس طرح کلام کرے کہ وہ سنی ہے اور دوسرا اس طرح کہ شیعہ ہے۔ جب شور و شر پڑ جائے گا اور لوگ لڑنے لگ جائیں گے تو ہم کباب اٹھا کر بھاگ جائیں گے۔ انہوں نے کباب فروش کی دکان کے پاس پہنچ کر اسی طرح کیا۔ اس بازار میں شیعہ بھی تھے اور سنی بھی کچھ ایک کی امداد کے لئے آگئے کچھ دوسرے کی امداد کے لئے پہلے ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے پھر مار کٹائی شروع ہو گئی وہ کباب لے کر چلتے بنے مگر اس واقعہ کے بعد جگہ جگہ لڑائیاں اور خونریزیاں شروع ہو گئیں۔ اس پر لوگوں نے ترکوں کو لکھا کہ یہاں بہت بدامنی پیدا ہو گئی ہے تم آجاؤ۔ ترک جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے حملہ آور

ہوئے اور ان کے حملہ سے بغداد کی خلافت تباہ ہو گئی [1] گویا دو آدمیوں کی لڑائی اور وہ بھی کباب کھانے کے لئے لڑائی کا نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ عظیم الشان نظام جو خواہ کتنا ہی استبدادی رہا ہو پھر بھی مسلمانوں کے لئے عمود کے طور پر تھا اور دوسری مسلمان حکومتیں خواہ وہ کتنی بڑی تھیں اس کے آگے اس طرح جھکتی تھیں جس طرح جانور ریکیلے کی طرف جھکتا ہے وہ تباہ ہو گیا۔ اور ایسا تباہ ہؤا کہ اس کے بعد پھر کوئی نظام مسلمانوں کو متحد نہ کر سکا۔ پس بسا اوقات ایک چھوٹی سی بات کے نتائج بہت برے نکلتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر جو باتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں ان کو بھی بعض بڑی باتوں کے لئے چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ وہ گُر جس کی طرف میں نے ابتداء میں اشارہ کیا ہے سورۃ حجرات میں بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:۱۳) اے مومنو! اِجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ کیونکہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ بعض ظن ایسے ہوتے ہیں جو گناہ ہوتے ہیں۔ یہ کتنا چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن اس میں ایک بہت بڑا تمدنی' سیاسی اور اخلاقی اصل بیان کیا گیا ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں اس اصل کو بیان کروں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ عربی میں ظن کے معنی تین ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ تینوں معنی ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ایک معنی ظن کے یقین کے ہوتے ہیں۔ جب کسی بات کے متعلق یقین کرلیں کہ اس طرح ہے تو کہتے ہیں فلاں نے فلاں بات کے متعلق ظن کیا۔ دوسرے معنی ظن کے گمان غالب کے ہیں۔ جب کثرت دلائل کسی بات کے متعلق دلالت کرتے ہوں کہ وہ یوں ہے تو اس کے لئے بھی ظن کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان معنوں میں ظن کا لفظ استعمال ہؤا ہے۔ چنانچہ مؤمنوں کے متعلق آیا ہے۔ مؤمن خدا کی ملاقات پر ظن رکھتے ہیں (البقرہ:۲۵۰) مؤمنوں کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں خدا تعالیٰ کی ملاقات پر یقین نہیں ہوتا انہیں یقین ہوتا ہے۔ ان کے متعلق ظن کا لفظ یقین کے معنوں میں استعمال کیا گیا۔

گمان غالب کے معنوں میں حضرت یوسفؑ کے متعلق آتا ہے۔ ان کے سامنے جب دو قیدیوں نے اپنے خواب بیان کئے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں جنہیں پرند کھا رہے ہیں۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے شراب نچوڑنے والے کو تو یہ تعبیر بتائی کہ تمہیں قید سے نجات مل جائے گی اور دوسرے کو یہ کہا کہ تمہیں پھانسی دی جائے گی۔ اب خواب یقینی تو ہوتی

ہے لیکن انبیاء کی۔ ان کی خوابوں کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے ہیں باقیوں کے لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یقینی طور پر ان کے خواب خدا کی طرف سے ہیں۔ باقی لوگوں کی خوابوں کی علامات اور دوسری باتوں کو دیکھ کر راجح یقین کر سکتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہوں مگر ان پر قسم نہیں کھا سکتے کہ ضرور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اس لئے حضرت یوسفؑ کے متعلق آتا ہے وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا (یوسف:۴۳) جس کے متعلق انہیں غالب گمان تھا کہ بچ جائے گا اسے کہا۔ وہ خواب کی علامات سے سمجھتے تھے کہ بچ جائے گا لیکن چونکہ وہ نبی کی خواب نہ تھی اس لئے پورا یقین نہ تھا کہ ضرور سچی ہوگی۔

اسی طرح ظن کا لفظ قرآن کریم میں شبہ کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ کفار کے متعلق آتا ہے وہ رسول کے لئے ظنون کرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے پاس رسول کے خلاف دلائل ہیں اس لئے وہ مخالفانہ باتیں کرتے ہیں بلکہ یہ ہیں کہ ان کے دلوں میں شکوک ہیں اور وہ شکوک پیش کرتے ہیں۔

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں ظن کے معنے یقین نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ظن جس کے معنی یقینی امر کے ہوں اس کے لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ نے کہا ہے اس سے بچو اور اسے چھوڑ دو۔ ایسے ظن کو تو حاصل کرنا چاہئے۔

اسی طرح جس امر کے متعلق دلائل کثرت سے ہوں اس کے لئے بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اسے چھوڑ دو۔ بے شک بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بات کے متعلق بظاہر دلائل کا غلبہ ہوتا ہے مگر وہ حقیقت میں غلط ہوتی ہے۔ مگر ایسے امور تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ زیادہ ایسے ہوتے ہیں کہ دلائل کے غلبہ سے وہ سچے ہوتے ہیں۔ پس یہ بھی یہاں مراد نہیں ہے۔ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ وہ ظن جو شک کے معنوں میں آتا ہے وہ یہاں مراد ہے۔ ہماری زبان میں ظن کا لفظ غلط طور پر استعمال ہوتا ہے جب کسی بات کے متعلق غلطی کا احتمال کم ہو اور صحت کا زیادہ تو اس کے لئے ظن کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن عربی میں ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں غلطی کا احتمال زیادہ ہو اور صحت کا کم۔ تو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ کے یہ معنی ہوں گے کہ اے مؤمنو بہت سے شکوک سے بچا کرو۔ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بیس پہلو نیکی کے ہوتے ہیں اور ایک پہلو برائی کا۔ اس برے پہلو کو چھوڑ دو۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ بعض ظنون ایسے ہوتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں۔

اس میں کئی نکات بیان کئے گئے ہیں- ایک یہ کہ ہو سکتا ہے ظنون میں سے بعض سچے بھی ہوں- لیکن چونکہ شکی ہیں اور ان میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے ان سے بچو- کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اکسپیریمنٹل Experimental نہیں ہوتیں دلائل سے معلوم ہوتی ہیں اور ان میں غلطی کا شبہ ہوتا ہے اور کئی ان میں سے غلط ہو جاتی ہے- بیسیوں مسئلے ایسے ہیں جنہیں دلائل سے ثابت کیا جاتا تھا مگر اب لوگ ان کو غلط قرار دے کر چھوڑ رہے ہیں- تو فرمایا اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ شک و شبہ والی باتیں بعض دفعہ سچی بھی ہوتی ہیں لیکن غلط بھی اس لئے ان کو چھوڑ دینا چاہیئے-

دوسرا نکتہ یہ بیان کیا جس سے شرعی مسائل کا حل ہوتا ہے کہ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ سارے ظن غلط ہوتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ بعض ظن غلط ہوتے ہیں مگر فرماتا ہے- اِجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ بہت سے ظنون سے بچو- کیوں؟ اس لئے کہ ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں- یہ نہیں کہا کہ ظن سے بچو کیونکہ ظن تو یقین والا بھی ہوتا ہے اور گمان غالب والا بھی- اس لئے فرمایا شک والے ظن سے بچو ان میں صحیح ظن بھی ہو سکتا ہے مگر اکثر چونکہ غلط ہوتے ہیں اس لئے ان سے بچو- ہو سکتا ہے کہ ہم ایک چور کو چور سمجھ لیں مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایک بے گناہ کو چور سمجھ لیں- پس وہ ظن جس کے معنے شک کے ہیں اس کے متعلق قاعدہ یہی ہے کہ ایسے ظن خراب زیادہ ہوتے ہیں- اس سے یہی نکتہ معلوم ہؤا کہ جس چیز سے منع کیا جائے ضروری نہیں کہ اس کی وجہ سے ہر فرد میں خرابی پیدا ہو بلکہ عام کو دیکھا جاتا ہے- اس کی موٹی مثال شراب کی ہے اس پر بعض لوگ قبضہ پالیتے ہیں- وہ اس میں اس قدر نہیں بڑھتے کہ ان کی صحت یا ان کے جذبات اور احساسات کو اس سے نقصان پہنچے لیکن ایسے بھی ہوتے ہیں اور کثرت سے ایسے ہی ہوتے ہیں جو اس سے نقصان اٹھاتے ہیں اس لئے ان کی کثرت کو دیکھ کر اسلام نے شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا- پس کئی مسائل ایسے ہیں کہ بعض لوگ نکل سکتے ہیں جو ان پر عمل کر کے گناہ میں مبتلاء نہ ہوں لیکن اکثر گناہ میں مبتلاء ہو جائیں گے اس لئے ان کی کثرت کو مد نظر رکھ کر قلیل کو نظرانداز کر دیا گیا اور سب کے لئے ایک قانون بنا دیا- اب یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے مگر فلاں شخص شراب پیتا ہے اس پر اس کا کوئی مضر اثر نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ ضروری نہیں شراب ہر ایک کے لئے مضر ہو دیکھنا یہ ہے کہ اکثر پر اس

کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اگر اکثر کے لئے مضر ثابت ہوتی ہے تو اس کی ممانعت کی بنیاد کثرت پر رکھیں گے اور کثیر کو بچانے کے لئے بعض کو کہیں گے کہ تم بھی اپنی آزادی قربان کر دو تاکہ ساری قوم تباہ نہ ہو۔ تیسرا نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمدن کا قیام اسی مسئلہ پر ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ بعض ظن ایسے ہوتے ہیں جو تعلقات کو خراب کر دیتے ہیں فتنہ وفساد مچا دیتے ہیں ان سے بچنا چاہئے۔ یہ تمدن کے قیام کا بہت بڑا گُر ہے جو مسلمانوں میں مفقود ہو گیا ہے۔ وہ یقین کے مقابلہ میں شک کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ شکوک کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر تم کسی ایک کے لئے شکوک کا دروازہ کھولو گے تو پھر سب کے لئے کھل جائے گا اور اس طرح تمدن تباہ ہو جائے گا۔ کوئی وجہ نہیں کہ میں زید پر بدظنی کروں اور وہ مجھ پر نہ کرے۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ زید کے معاملہ میں بدظنی کروں مگر دوسروں کے متعلق نہ کروں۔ سورۃ نور میں خدا تعالیٰ نے اس برائی سے بچنے کے لئے اور رنگ میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ (النور: ۱۳) جب تم نے فلاں بات سنی تھی تو مؤمن مرد اور عورتوں نے اپنے متعلق کیوں نیک گمان نہ کیا حالانکہ جنہوں نے وہ بات سنی تھی اپنے متعلق نہ سنی تھی بلکہ حضرت عائشہؓ کے متعلق سنی تھی مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے اپنے متعلق انہوں نے کیوں نہ نیک ظن کیا۔

اس پر وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم نے اپنے متعلق تو کوئی برا ظن نہیں کیا ہم نے تو عائشہؓ کے متعلق کیا۔ مگر اس طرح ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ کیا حضرت عائشہؓ کے متعلق تم ایسا ظن کرو اور تمہارے متعلق نہ کیا جائے۔ جب تم اپنے میں سے ایک پر بدظنی کرتے ہو تو سب کے لئے یہ رستہ کھولتے ہو اور یہ رستہ کھل جائے تو پھر اتحاد کیوں کر ہو سکتا ہے۔

پس یہ خیال کرنا کہ فلاں کے متعلق یہ بات ہے ہمارا اس سے کیا نقصان ہے غلط ہے۔ جب ایک کے لئے یہ راستہ کھول دیا گیا تو پھر سب کے لئے کھلے گا اور جب سب کے لئے کھلے گا تو اس طرح قوم تباہ ہو جائے گی۔ وجہ یہ کہ انسان میں نقالی کی عادت پائی جاتی ہے اور بڑے بڑے ماہر کہتے ہیں ہرڈ انسٹنکٹ (Heard Instinct) انسان میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ اصطلاح بھیڑ کی عادت سے ہی نکلی ہے۔ جہاں سے بھیڑیں گذر رہی ہوں وہاں اگر ان کے راستہ میں رسی باندھ دی جائے اور ایک بھیڑ اس پر سے کود کر گذرے تو باقی سب بھیڑیں کود کر

گذریں گی اور اگر رسی ہٹالی جائے تو بھی اس جگہ سے گذرنے والی بھیڑیں وہاں آکر کودیں گی اس وجہ سے ہرڈانسٹنکٹ کہا جاتا ہے۔ یہ بات انسانوں میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ ایک رَو جو چلتی ہے اس میں سب بہتے چلے جاتے ہیں کیونکہ انسان میں سب سے قوی جذبہ یہی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اس جذبہ کے ماتحت جب لوگ دیکھیں گے کہ اس قسم کے اعتراض بھی کئے جاتے ہیں تو اور لوگ بھی کریں گے۔ پھر دوسرے پر، تیسرے پر اعتراض کئے جائیں گے۔ اور اس طرح اعتماد اور بھروسہ مٹ جائے گا۔ دنیا کے تمام کاموں کی بنیاد اعتماد پر ہی ہے۔ میں نے بڑے بڑے تاجروں کی کتابیں پڑھی ہیں وہ لکھتے ہیں تجارت کی کامیابی کا سارا انحصار اعتماد پر ہوتا ہے ایک بہت بڑا تاجر لکھتا ہے جس دن میں سمجھوں گا نوکر دیانتداری سے کام نہیں کرتے اسی دن تجارت بند کردوں گا کیونکہ تجارت اعتماد کے بغیر نہیں چل سکتی۔ اگر نوکروں پر میں اعتماد نہیں کروں گا تو وہ بھی مجھ پر اعتماد نہ کریں گے۔ اور اس طرح تجارتی کاروبار تباہ ہونا شروع ہو جائے گا اس لئے جب میں دیکھوں گا کہ باہمی اعتماد نہیں رہا تو تجارت بند کردوں گا تا کہ جو کچھ پاس ہے وہ تو تباہ ہونے سے بچ جائے۔

غرض تمام کام اعتماد پر چلتے ہیں۔ لوگ اپنے مقدمات میں وکیل کرتے ہیں۔ اگر وکیل پر اعتماد نہ ہو بلکہ شک ہو کہ وہ دوسرے فریق سے مل جائے گا تو پھر کون وکیلوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر پر اعتماد کیا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ ڈاکٹر کا ہر ایک نسخہ صحیح ہو مگر اس پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کے سپرد جان کردی جاتی ہے۔ نائی حجامت کرتے ہیں ان پر اعتماد کر کے ان کے سامنے سر رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر دنیا میں خطرناک سے خطرناک واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ آج ہی میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ میکسیکو کا پریذیڈنٹ ایک دعوت میں گیا وہاں ایک شخص کھیل کے طور مختلف شکلیں بنا رہا تھا۔ اس نے کہا اگر اجازت ہو تو پریذیڈنٹ صاحب کی شکل بناؤں۔ اسے اجازت دی گئی۔ اس نے کہا میں قریب سے شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس طرح اس نے پاس آکر پے در پے پانچ گولیاں چلادیں۔ تو بے شک ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں لوگ دھوکا فریب کرتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ مسلمان اس زمانہ کو فیج اعوج کہتے ہیں ہندو بھی اس کا نام کلجگ رکھتے ہیں عیسائی بھی کہتے ہیں اس زمانہ میں برائی بڑھی ہوئی ہے مگر پھر بھی اعتماد زیادہ کیا جاتا ہے اور شک تھوڑا۔ اگر شک کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے اور ہر بات میں شک و شبہ کیا جائے تو چند دن میں تباہی آجائے۔ اور ایسا

زمانہ کبھی نہیں آسکتا کہ شک ہی شک رہ جائے۔ مگر باوجود اس کے مسلمانوں میں بہت زیادہ لوگ ایسے ہیں جو بلاوجہ اور بلا ثبوت دوسروں کے متعلق شکوک پیدا کرتے رہتے اور الزام لگاتے رہتے ہیں۔ اصل بات کو نہیں دیکھا جاتا حقیقت معلوم نہیں کی جاتی اور یونہی الزام لگانے شروع کردیئے جاتے ہیں۔ میں نے ۱۷/ جون کو رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق تمام ہندوستان میں لیکچر دینے کے تحریک کی۔ ابھی جلسے ہوئے نہیں تھے کہ یونہی کہہ دیا گیا کہ ان پر الزام لگائے گئے ہیں ان کو دور کرنے کے لئے یہ تحریک کی گئی ہے۔ گویا میں ان لوگوں کے نزدیک پہلے دن مذہبی دنیا میں آیا تھا۔ جب میں نے یہ تحریک کی۔ اس سے قبل میں نے نہ تو کوئی اسلام کی خدمت کی تھی اور نہ دینی معاملات میں حصہ لیا تھا اس لئے یہ کہنے والوں نے سمجھ لیا کہ میں نے یہ تحریک الزام دور کرنے کے لئے کی ہے یا پھر کہا گیا ان جلسوں کی غرض چندہ جمع کرنا ہے۔ چندہ کسی نے مانگا نہیں چندہ کے لئے کسی نے تحریک کی نہیں مگر الزام لگایا جاتا ہے کہ چندہ جمع کرنے کے لئے ۱۷/ جون کے جلسوں کی تحریک کی گئی ہے۔ ایک یہ بھی الزام لگایا گیا کہ سائمن کمیشن کو کامیاب بنانے کے لئے یہ جلسے کرائے جائیں گے۔ کوئی پوچھے سائمن کمیشن اور رسول کریم ﷺ کی سیرت کے متعلق جلسے کرانے میں جوڑ کیا ہے؟ میں نے مخلی بالطبع ہو کر سوچا مجھے تو کوئی جوڑ نظر نہیں آیا۔ مگر میں کہتا ہوں اگر کوئی جوڑ ہو بھی اور سائمن کمیشن سے تعاون کر کے دنیا سے رسول کریم ﷺ کی تعریف کرائی جاسکے تو میں تو ہزار تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں تو عدم تعاونی نہیں ہوں لیکن اگر عدم تعاونی بھی ہوتا اور یہ دیکھتا کہ رسول کریم ﷺ کی شان اور آپ کی تقدیس تعاون کرنے سے ہوسکتی ہے تو میں عدم تعاون پر ہزار لعنت بھیجتا اور بڑی خوشی سے تعاون کرتا۔ یہ محض ظن سے کام لیا گیا اور نہایت مبارک تحریک کے متعلق شکوک پیدا کئے گئے۔

میں کہتا ہوں ہم ہندوستانی انگریزوں سے اپنے حقوق مانگتے ہیں اس پر بعض انگریز خیال کر لیتے ہیں کہ ہندوستانی بغاوت کرنا چاہتے ہیں مگر ہم اس کا انکار کرتے اور کہتے ہیں یہ جھوٹا الزام ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے حقوق ہمیں دیئے جائیں۔ لیکن اگر دوسروں پر شک وشبہ کیا جا سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انگریز بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہندوستانی بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دنیا کے سب کام اعتماد پر چلتے ہیں۔ جب کسی کی بات کی بنیاد شک پر ہوگی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دوسروں سے کہے تم مجھ پر کوئی شک نہ کرو۔ مگر شک وشبہ سے بچنے اور خواہ مخواہ بدظنی

نہ کرنے کی بہت کم پرواہ کی جاتی ہے۔ یہاں کا ایک واقعہ دیکھ لیا جائے چند دن ہوئے میں ایک دعوت میں گیا۔ وہ جرنیل صاحب جن کے اعزاز میں دعوت دی گئی تھی وہ چونکہ پہلے مجھ سے مل چکے تھے اس لئے خیال نہ تھا کہ وہ اپنی لیڈی کو تعارف کرانے کے لئے لائیں گے مگر وہ لے آئے۔ جب انہوں نے انٹروڈیوس (Introduce) کرایا تو لیڈی صاحبہ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ چونکہ میں شرعی طور پر اس بات کا قائل ہوں کہ مردوں کو غیر محرم عورتوں سے مصافحہ نہ کرنا چاہئے اس لئے میں نے مصافحہ نہ کیا۔ مگر یہ سن کر مجھے تعجب ہؤا کہ بعض لوگوں نے تو یہ کہا کہ اس لیڈی کی ہتک کی گئی ہے اور بعض نے کہا یہ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے کیا گیا ہے ورنہ مصافحہ کر لیا کرتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس میں دکھانے والی کون سی بات تھی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ بڑے آدمی سے اپنا تعلق ظاہر کرنے کے لئے مصافحہ کیا جائے مگر مصافحہ نہ کرنے میں تو کوئی بات ایسی نہیں جو دکھائی جائے۔ اس طرح تو ناواقف کے لئے ناراضگی کا موقع پیدا ہو جاتا ہے۔ جب میں ولایت گیا تو ایک مشہور انگریز آرنلڈ ہماری پرائیویٹ مجالس میں اپنی بیوی کو نہ لاتے تھے اور دوسری مجالس میں بھی جن میں میں ہوتا یا تو ساتھ نہ لاتے یا ہمارے قریب نہ لاتے کیونکہ وہ سمجھتے تھے مصافحہ نہ کرنے کی وجہ سے ان کی بیوی کی ہتک ہوگی۔ تو دکھانے کے لئے مصافحہ کرنا چاہئے تھا نہ یہ کہ نہ کیا جاتا۔ مگر اس بات کو بہت شہرت دی گئی۔ ملتان کے کمشنر صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں ان سے ایک دوست ملنے گئے تو انہوں نے بھی بتایا کہ یہ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ غیر محرم عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کا خیال غلط ہے اور ہم اس بات کو سننے کے لئے تیار ہیں۔ اگر کوئی مجھے یہ ثابت کر دے کہ قرآن اور حدیث کی رُو سے مصافحہ کرنا جائز ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کیونکہ ولایت میں ہمارے مبلغوں کو مصافحہ نہ کرنے کی وجہ سے بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ ابھی ایلن بی ہمارے لندن مشن میں آئے انہوں نے یہ نہ لکھا تھا کہ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی ہوگی۔ اگر یہ معلوم ہوتا تو انہیں مصافحہ نہ کرنے کے متعلق اطلاع دے دی جاتی۔ وہ اپنے عہدہ کے لحاظ سے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ مذہبی لحاظ سے بھی ان کی بڑی عزت کی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے شام کو فتح کیا تھا جسے عیسائی مقدس ملک سمجھتے ہیں اور فوجی لحاظ سے وہ فیلڈ مارشل ہیں۔ اتنے بڑے آدمی کی بیوی کے ساتھ ہمارے مبلغ نے مصافحہ نہ کیا کیونکہ ہمارا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا یا کم از کم ہمارے نزدیک نہیں دیتا۔ اور جب ہم اس مذہب کو مانتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ سچائی اور دیانت

داری سے مانیں۔ چونکہ مبلغ کو میری طرف سے ہدایت تھی کہ مصافحہ نہ کیا جائے اس لئے اس نے نہ کیا۔ اور وہ تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ممکن ہے بڑے آدمی تھے زیادہ دیر نہ بیٹھ سکنے کی وجہ سے چلے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے برا منایا ہو۔ تو بظاہر اس میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے مگر ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس کو بھی برے رنگ میں پیش کیا گیا۔

بات یہ ہے جب کوئی انسان یہ خیال کرے کہ فلاں شخص کی ہر بات میں نقص نکالنا ہے اور اسے برے رنگ میں پیش کرنا ہے تو اچھی سے اچھی بات بھی اس کی نگاہ میں بری ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہر بات میں بدظنی سے کام لیا جائے تو خیال کرو دنیا کی کیا حالت ہو جائے۔ حضرت خلیفہ اول سناتے ہیں کہ بدظنی کا مسئلہ میرے لئے عجیب رنگ میں حل ہؤا۔ ایک دفعہ میں ایک جنگل میں قضائے حاجت کے لئے گیا۔ ایک جگہ گڑھے تھے ایک گڑھے میں میں نے قضائے حاجت کی۔ جب میں کھڑا ہؤا۔ تو پاس ہی کے دوسرے گڑھے سے ایک عورت قضاء حاجت کر کے اٹھی۔ درمیان میں ایک دیوار تھی جس کی وجہ سے پہلے میں اسے دیکھ نہ سکا لیکن وہ دیوار چھوٹی سی تھی اور دور سے دیکھنے والے کو نظر نہ آسکتی تھی۔ اس وقت میں نے خیال کیا اگر کوئی دور سے ہم دونوں کو دیکھے کہ ازار بند باندھ رہے ہیں تو وہ کیا خیال کرے گا۔ تو ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ ایک بات کے متعلق غالب خیال پیدا ہو جائے مگر دراصل وہ غلط ہو۔ اسلام نے کیا ہی عمدہ گُر بتایا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو مسلمانوں کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اب یہ حالت ہے کہ ایک شخص کوئی تحریک کرتا ہے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض ہے اور پھر مخالفت شروع کر دی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر احمدی کوئی تحریک کریں اور شیعہ سمجھ لیں اس میں احمدیوں کی ذاتی غرض ہے۔ اور شیعہ تحریک کریں تو حنفی سمجھ لیں شیعہ کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ حنفی تحریک کریں تو اہلحدیث سمجھ لیں حنفی کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح مخالفت شروع کر دیں تو کونسی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے۔ اگر احمدیوں کی کسی تحریک کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کیا جاسکتا ہے تو کیا وجہ ہے حنفیوں کی تحریک پر نہ کیا جائے۔ اور اگر حنفیوں کی تحریک کے متعلق شکوک پیدا کئے جاسکتے ہیں تو کیا وجہ ہے شیعوں کی تحریک پر نہ کئے جائیں۔ اگر شیعوں کی تحریک کو شبہات کا شکار بنایا جاسکتا ہے تو کیا وجہ ہے اہلحدیثوں کی تحریک کے متعلق ایسا نہ کیا جائے۔ اگر ایک جماعت کے لئے شکوک و

شبہات کا دروازہ کھولا جائے گا تو سب کے لئے کھل جائے گا اور پھر قیامت تک مسلمان اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔ اگر مسلمان اس سے باز نہیں رہ سکتے تو انہیں کبھی کامیابی حاصل نہ ہو گی۔ دیکھو ویسے ہی ہندوؤں میں اختلاف پائے جاتے ہیں جیسے مسلمانوں میں ہیں۔ سناتنی آریوں کو ہندو دھرم سے خارج سمجھتے ہیں اور آریہ سناتنیوں کو۔ پھر جینی ویدوں کے ہی قائل نہیں۔ کفر کا لفظ ہندوؤں میں نہیں کیونکہ ان کی زبان اور ہے۔ لیکن بتاؤ اگر کوئی قرآن کا ہی منکر ہو تو وہ مسلمان کہلا سکتا ہے ؟ مگر جینی ویدوں کا انکار کرتے ہیں باوجود اس کے ہندو ان کو ہندو کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ بدھ جنہوں نے ہندوؤں کے مندروں کو برباد کر دیا اور وہ جن کی بنیاد ہی ظالمانہ افعال پر سمجھی جاتی ہے آج وہ قاتل اور مقتول جمع ہو گئے ہیں تاکہ مسلمانوں کو مٹا دیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک فرقہ اس قدر دولتمند اور مالدار ہے کہ وہ اکیلا ہی مسلمانوں کو نکال سکتا ہے مگر باوجود اس کے وہ تمام فرقے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اپنی طاقت بڑھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر مسلمان باوجود اس کے کہ ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں اور تعداد میں بھی بہت تھوڑے ہیں اتحاد کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اگر اتحاد کی کوئی تجویز پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں اس میں پیش کرنے والوں کی کوئی ذاتی غرض ہو گی۔ ان کی قومی بربادی کی ایسی مثال ہے جیسا کہ مشہور ہے ایک اندھا اور ایک سوجاکھا اکٹھے کھانا کھانے بیٹھے۔ اندھے نے خیال کیا مجھے تو نظر نہیں آتا سوجاکھا بہت جلدی جلدی کھا رہا ہو گا یہ خیال کر کے وہ جلدی جلدی کھانے لگ گیا۔ پھر اس نے سمجھا جلدی کھانا تو اس نے دیکھ لیا ہو گا۔ اب اس نے کوئی اور صورت اختیار کی ہو گی اس پر اس نے ایک ہاتھ سے کھانا اور دوسرے ہاتھ سے جھولی میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اس پر اسے خیال آیا یہ بھی اس نے دیکھ لیا ہو گا اور اس نے کوئی اور ترکیب اختیار کی ہو گی۔ تب اسے کوئی اور ترکیب تو نہ سوجھی تھالی اٹھا کر کہنے لگا اب یہ میرا حصہ ہے تم نے بہت کھا لیا سوجاکھا اس کی حرکات دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔ بعینہٖ یہی مثال مسلمانوں کی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی حالت کیا ہے۔ وہ دوسرے کے متعلق سمجھتے ہیں اسے گرانے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ وہ سب کچھ کھا جائے گا۔ میں کہتا ہوں تم اپنی اپنی خصوصیات قائم رکھو مگر جو مشترکہ مسائل ہیں ان میں تو مل کر کام کرو۔ جاؤ ہندوؤں سے جا کر پوچھو کیا وہ اس لئے اسلام پر حملہ کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعودؑ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگر اس لئے نہیں بلکہ اس لئے حملے کرتے ہیں کہ مسلمان مسلمان کیوں ہیں تو پھر اسلام کو بچانے کے لئے

ایک نقطہ پر جمع ہونے میں سنّیوں اور دوسرے مسلمانوں کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔ پھر کیا ہندو اس لئے اسلام پر حملہ کرتے ہیں کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ کیوں مانتے ہیں۔ اگر ان کا حملہ اس وجہ سے ہوتا تو ہر ایک احمدی کہہ سکتا تھا کہ جاؤ تم ان سے لڑو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے ہم تو حضرت عیسیٰؑ کو فوت شدہ مانتے ہیں۔ مگر یاد رکھو کوئی ہندو اور کوئی عیسائی ان اختلافات کی وجہ سے حملہ نہیں کرتا جو احمدیوں اور اہلحدیثوں میں یا سنّیوں اور شیعوں میں پائے جاتے ہیں بلکہ ان مسائل کی وجہ سے حملہ کرتا ہے جو احمدی' غیر احمدی' شیعہ' سنی' اہلحدیث' رافضی' خارجی غرض کہ اسلام کے تمام فرقوں میں مشترک ہیں اور وہ یہ ہیں کہ محمد ﷺ خدا تعالیٰ کے راستباز انسان تھے اور آپؐ جو تعلیم لائے وہ ساری دنیا کے لئے ہے۔ اور کون ہے جو مسلمان کہلاتا ہو مگر رسول کریم ﷺ کو راستباز نہ مانتا ہو اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کو ساری دنیا کے لئے نہ سمجھتا ہو۔ پھر مخالفین اسلام اس لئے حملہ کرتے ہیں کہ مسلمان خدا کی توحید کے قائل ہیں اور کوئی مسلمان ہے جو توحید کا قائل نہ ہو۔ پھر وہ اس لئے حملہ کرتے ہیں کہ مسلمان قرآن کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں کیا کوئی مسلمان ہے جو اس کا انکار کرتا ہو؟ پھر سب مسلمان مل کر کیوں مخالفین اسلام کا مقابلہ نہ کریں۔ اسلام کے مٹنے سے احمدیوں کا ہی نقصان نہیں بلکہ سب مسلمان کہلانے والوں کا نقصان ہے۔ ہم تیس سال سے زیادہ عرصہ سے اپنی قوم کے ظلم سہتے چلے آرہے ہیں۔ ہماری ہمدردی کے جواب میں ہم پر ظلم کئے گئے اور ہماری خیرخواہی کے مقابلہ میں ہم پر الزام لگائے گئے مگر جب ہم نے دیکھا کہ ملکانوں پر آریوں نے حملہ کیا ہے اور ان کو مرتد بنا رہے ہیں اور اس وقت اسلام کی حفاظت کا سوال ہے تو ہم نے نہ کسی نقصان کی پرواہ کی اور نہ ظلم و ستم کی جو ہماری قوم نے ہم پر کئے تھے اور اسلام کی حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ملکانے ہم میں سے نہ تھے۔ جس طرح آج دو تین اشخاص کے مرتد ہو جانے پر ہمارے خلاف شور مچایا جا رہا اور خوشیاں منائی جارہی ہیں اس طرح کیا ملکانوں کے مرتد ہونے پر ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ کر سکتے تھے مگر ہم نے نہ کیا بلکہ سب سے بڑھ کر ملکانوں کو بچانے کی کوشش کی۔ دوسرے مسلمانوں نے کئی کروڑ ہونے کے باوجود تیس چالیس آدمیوں کو بھیجا مگر ہم نے چند لاکھ ہوتے ہوئے سَو[1] کے قریب مبلغ ایک وقت میں ملکانوں کے علاقہ میں پھیلا دیئے۔ کیونکہ ہم نے آریوں کا حملہ اسلام پر سمجھا اور اسلام کی حفاظت کے لئے کھڑا ہونا ہمارا سب سے پہلا فرض ہے۔

بات یہ ہے سچے طور پر جو اسلام سے محبت رکھے گا وہ مخالفین اسلام کے ہر حملہ کو اپنے اوپر سمجھے گا- ذرا غور تو کرو اگر کوئی شخص کسی کے باپ سے لڑ پڑے تو کیا وہ دوسرے بھائیوں کو کہے گا کہ یہ تمہارے باپ سے لڑ رہا ہے تم اس کا مقابلہ کرو یا ہر بیٹا یہ سمجھے گا کہ لڑنے والا مجھ پر حملہ کر رہا ہے- جو بیٹا یہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ مجھ پر حملہ کیا گیا ہے وہی سب سے زیادہ باپ سے محبت کرنے والا ہو گا اور جو اس حملہ کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کرے گا اس کا باپ سے کم تعلق سمجھا جائے گا- اسی طرح ایسے وقت میں جب کہ رسول کریم ﷺ پر حملے ہو رہے ہیں جو آگے آتا ہے وہی رسول کریم ﷺ سے زیادہ محبت کرنے والا سمجھا جائے گا- ہم حملے کرنے والوں کے مقابلہ میں سب سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے ہیں کیونکہ ہمارا حق ہے کہ ہم سب سے زیادہ وہ گولیاں کھائیں جو آپؐ پر چلائی جائیں- دوسرے مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ آگے بڑھیں اور اس مبارک کام میں حصہ لیں اگر مسلمانوں نے توجہ نہ کی تو ان کی تباہی و بربادی میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا- میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو تباہی سے بچائے- اس وقت ہماری حالت اس سے بدتر ہے جو سپین میں مسلمانوں کی تھی- خدا تعالیٰ ہماری کمزوریاں دور کر دے' ہماری بدیاں مٹا دے اور ہمیں عمل سے نہ کہ صرف زبان سے اس محبت کا ثبوت دینے کی توفیق عطا فرمائے جو ہمیں رسول کریم ﷺ سے ہے-

(الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۲۸ء)

۱- تاریخ اسلام مصنفہ شاہ معین الدین ندوی حالات خلافت عباسیہ-